لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ

تاکہ وہ لوگ غور کریں، اے اولاد آدم کی نہ بہکاوے تم کو شیطان جیسا کہ

اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا

اس نے نکال دیا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے، اُتروائے ان سے اُن کے کپڑے تاکہ دکھلائے

سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ

ان کو شرمگاہیں ان کی وہ دیکھتا ہو تم کو اور اس کی قوم جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے،

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق ان لوگوں کا جو ایمان نہیں لاتے

خلاصۂ تفسیر

اے اولاد آدم (ایک ہمارا انعام یہ ہے کہ) ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہارے ستر (یعنی پردہ والے بدن) کو بھی چھپاتا ہے اور (تمہارے بدن کے لئے) موجب زینت بھی (ہوتا) ہے، اور (اس ظاہری لباس کے علاوہ ایک معنوی لباس بھی تمہارے لئے تجویز کیا ہے جو) تقویٰ (یعنی دینداری) کا لباس (ہے کہ) یہ اُس (لباس ظاہری) سے بڑھ کر (ضروری) ہے (کیونکہ اس ظاہری لباس کا مطلوب شرعی ہونا اسی تقویٰ یعنی دینداری کی ایک فرع ہے، اصل مقصود ہر حالت میں لباسِ تقویٰ ہی ہے) یہ (لباس پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کے (فضل و کرم) کی نشانیوں میں سے ہوتا ہے، تاکہ یہ لوگ (اس نعمت کو) یاد رکھیں (اور یاد رکھ کر اپنے منعم اور محسن کا حقِ اطاعت ادا کریں اور وہ حقِ اطاعت وہی ہے جسکو لباسِ تقویٰ فرمایا ہے) اے اولادِ آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے (کہ خلافِ دین و تقویٰ تم سے کوئی کام کراوے) جیسا اس نے تمہارے دادا دادی (یعنی آدم و حواء علیہما السلام) کو جنت سے باہر کرا دیا (یعنی ان سے ایسا کام کرا دیا کہ اس کے نتیجہ میں وہ جنت سے باہر ہو گئے، اور باہر بھی) ایسی حالت سے (کرایا) کہ اُن کا لباس بھی ان (کے بدن) سے اُتروا دیا تاکہ دونوں کو ایک دوسرے کے پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے (جو شریف انسان کیلئے بڑی شرم و رسوائی ہے، غرض شیطان تمہارا قدیم دشمن ہے، اس سے بہت ہوشیار رہو اور زیادہ احتیاط اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ) وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو (عادۃً) نہیں دیکھتے ہو (ظاہر ہے کہ ایسا دشمن بہت خطرناک ہے، اس سے بچنے کا پورا اہتمام چاہئے، اور یہ اہتمام ایمان کامل اور تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے وہ اختیار کرلو تو بچاؤ کا

سامان ہو جائے گا، کیونکہ) ہم شیطانوں کو انہی کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے (اگر بالکل ایمان نہیں تو پوری طرح شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے، اور اگر ایمان تو ہے مگر کامل نہیں تو اس سے کم درجہ کا تسلط ہوتا ہے، بخلاف مؤمن کامل کے کہ اس پر شیطان کا بالکل قابو نہیں چلتا، جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے، اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ)

معارف و مسائل

آیاتِ مذکورہ سے پہلے ایک پورے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطانِ رجیم کا واقعہ بیان فرمایا گیا تھا، جس میں شیطانی اغواء کا پہلا اثر یہ ہوا تھا کہ آدم و حواء علیہما السلام کا جنتی لباس اُتر گیا اور وہ ننگے رہ گئے، اور پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے۔

متذکرہ آیات میں سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تمہارا لباس قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرو، یہاں خطاب صرف مسلمانوں کو نہیں، بلکہ پوری اولادِ آدم کو ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے، بغیر امتیاز کسی مذہب و ملت کے سب ہی اس کے پابند ہیں، پھر اس کی تفصیل میں تین قسم کے لباسوں کا ذکر فرمایا:

اوّل: لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ، اس میں یواری، موارات سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں چھپانے کے، اور سوآۃ، سوءۃ کی جمع ہے، ان اعضاءِ انسانی کو سوءۃ کہا جاتا ہے جن کے کھلنے کو انسان فطرۃً بُرا اور قابلِ شرم سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہاری صلاح و فلاح کے لئے ایک ایسا لباس اُتارا ہے جس سے تم اپنے قابلِ شرم اعضاء کو چھپا سکو۔

اس کے بعد فرمایا وَرِيْشًا، ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جو آدمی زینت و جمال کے لئے استعمال کرتا ہے، مراد یہ ہے کہ صرف ستر چھپانے کے لئے تو مختصر سا لباس کافی ہوتا ہے، مگر ہم نے تمہیں اس سے زیادہ لباس اس لئے عطا کیا کہ تم اس کے ذریعہ زینت و جمال حاصل کر سکو، اور اپنی ہیئت کو شائستہ بنا سکو۔

اس جگہ قرآن کریم نے اَنْزَلْنَا یعنی اتارنے کا لفظ استعمال فرمایا ہے، مراد اس سے عطا کرنا ہے، یہ ضروری نہیں کہ آسمان سے بنا بنایا اُترا ہو، جیسے دوسری جگہ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ کا لفظ آیا ہے، یعنی ہم نے لوہا اُتارا، جو سب کے سامنے زمین سے نکلتا ہے، البتہ دونوں جگہ لفظ اَنْزَلْنَا فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ جس طرح آسمان سے اُترنے والی چیزوں میں کسی انسانی تدبیر اور صنعت کو دخل نہیں ہوتا، اسی طرح لباس کا اصل مادہ جو روئی یا اُون وغیرہ ہے اس میں کسی انسانی

تدبیر کو ذرہ برابر دخل نہیں، وہ محض قدرتِ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے، البتہ ان چیزوں سے اپنی راحت و آرام اور مزاج کے مناسب سردی گرمی سے بچنے کے لئے لباس بنا لینے میں انسانی صنعت گری کام کرتی ہے، اور وہ صنعت بھی حق تعالیٰ ہی کی بتلائی اور سکھائی ہوئی ہے، اس لئے حقیقت شناس نگاہ میں یہ سب حق تعالیٰ ہی کا ایسا عطیہ ہے جیسے آسمان سے اُتارا گیا ہو۔

لباس کے دو فائدے

اس میں لباس کے دو فائدے بتلائے گئے، ایک ستر پوشی، دوسرے سردی گرمی سے حفاظت اور آرائشِ بدن، اور پہلے فائدہ کو مقدم کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسانی لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے، اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے، کہ جانوروں کا لباس جو قدرتی طور پر اُن کے بدن کا جزء بنا دیا گیا ہے اس کا کام صرف سردی گرمی سے حفاظت یا زینت ہے، ستر پوشی کا اس میں اتنا اہتمام نہیں، البتہ اعضائے مخصوصہ کی وضع ان کے بدن میں اس طرح رکھ دی ہے کہ بالکل کھلے نہ رہیں، کہیں اُن پر دُم کا پردہ کہیں دوسری طرح کا۔

اور حضرت آدم و حوّاء اور اغواء شیطانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لباس کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے لئے ننگا اور قابلِ شرم اعضاء کا دوسروں کے سامنے کھلنا انتہائی ذلت و رسوائی اور بے حیائی کی علامت اور طرح طرح کے شر و فساد کا مقدمہ ہے۔

انسان پر شیطان کا پہلا حملہ اس کو ننگا کرنیکی صورت میں ہوا آج بھی نئی شیطانی تہذیب انسان کو برہنہ یا نیم برہنہ کرنے میں لگی ہوئی ہے

اور یہی وجہ ہے کہ شیطان کا سب سے پہلا حملہ انسان کے خلاف اسی راہ سے ہوا کہ اس کا لباس اُتر گیا، اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعے جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب و شائستگی کا نام لیکر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے عام سڑکوں اور گلیوں میں کھڑا کر دیتا ہے اور شیطان نے جس کا نام ترقی رکھ دیا ہے وہ تو عورت کو شرم و حیاء سے محروم کر کے منظرِ عام پر نیم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی۔

ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی ہے

شیطان نے انسان کے اس کمزور پہلو کو بھانپ کر پہلا حملہ انسان کی ستر پوشی پر کیا، تو شریعتِ اسلام جو انسان کی ہر صلاح و فلاح کی کفیل ہے، اس نے ستر پوشی کا اہتمام اتنا کیا کہ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی کو قرار دیا، نماز، روزہ وغیرہ سب اس کے بعد ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نیا لباس پہنے تو اس کو چاہئے کہ لباس پہننے کے وقت یہ دعاء پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ	یعنی شکر اس ذات کا جس نے مجھے لباس دیا

مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ	جس کے ذریعہ میں اپنے ستر کا پردہ کروں اور زینت حاصل کروں"

نیا لباس بنانے کے وقت پرانے لباس کو صدقہ کر دینے کا ثواب عظیم

اور فرمایا کہ جو شخص نیا لباس پہننے کے بعد پرانے لباس کو غرباء و مساکین پر صدقہ کر دے تو وہ اپنی موت و حیات کے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور پناہ میں آ گیا۔ (ابن کثیر عن مسند احمد)

اس حدیث میں بھی انسان کو لباس پہننے کے وقت انہی دونوں مصلحتوں کو یاد دلایا گیا ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی لباس پیدا فرمایا ہے۔

ستر پوشی ابتداءِ آفرینش سے انسان کا فطری عمل ہے، ارتقاء کا جدید فلسفہ باطل ہے

آدم علیہ السلام کے واقعہ اور قرآن کریم کے اس ارشاد سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور پیدائشی ضرورت ہے، جو اوّل دن سے اس کے ساتھ ہے، اور آجکل کے بعض فلاسفروں کا یہ قول سراسر غلط اور بے اصل ہے کہ انسان اوّل ننگا پھرا کرتا تھا، پھر ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے لباس ایجاد کیا۔

لباس کی ایک تیسری قسم

ستر پوشی اور راحت و زینت کے لئے دو قسم کے لباسوں کا ذکر فرمانے کے بعد قرآن کریم نے ایک تیسرے لباس کا ذکر اس طرح فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ بعض قراءتوں میں فتح یعنی زبر کے ساتھ لِبَاسَ التَّقْوٰی پڑھا گیا ہے، تو اَنْزَلْنَا کے تحت میں داخل ہو کر معنی یہ ہوئے کہ ہم نے ایک تیسرا لباس تقویٰ کا اُتارا ہے، اور مشہور قراءت کی رو سے معنی یہ ہیں کہ یہ دو لباس تو سب جانتے ہیں، ایک تیسرا لباس تقویٰ کا ہے، اور وہ سب لباسوں سے زیادہ بہتر ہے، لباس تقویٰ سے مراد حضرت ابن عباس اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق عمل صالح اور خوفِ خدا ہے۔ (روح)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ظاہری لباس انسان کے قابلِ شرم اعضاء کے لئے پردہ اور سردی گرمی سے بچنے اور زینت حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح ایک معنوی لباس عملِ صالح اور خوفِ خدا تعالیٰ کا ہے، جو انسان کے اخلاقی عیوب اور کمزوریوں کا پردہ ہے، اور دائمی تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ ہے اسی لئے وہ سب سے بہتر لباس ہے۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک بدکار آدمی جس میں خوفِ خدا نہ ہو اور وہ عملِ صالح کا پابند نہ ہو وہ کتنے ہی پردوں میں چھپے مگر انجام کار رسوا اور ذلیل ہو کر رہتا ہے، جیسا کہ ابن جریرؒ نے بروایت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے جو شخص کوئی بھی عمل لوگوں کی نظروں

سے چھپا کر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس عمل کی چادر اُڑھا کر اعلان کر دیتے ہیں، نیک عمل ہو تو نیکی کا اور بُرا عمل ہو تو بُرائی کا، چادر اُڑھانے سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدن پر اوڑھی ہوئی چادر سب کے سامنے ہوتی ہے، انسان کا عمل کتنا ہی پوشیدہ ہو اس کے ثمرات و آثار اس کے چہرے اور بدن پر اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیتے ہیں، اور اس ارشاد کی سند میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، وَرِيْشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ، ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

ظاہری لباس کا بھی اصل مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے

لباس التقویٰ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ ظاہری لباس کے ذریعہ ستر پوشی اور زینت و تجمل سب کا اصل مقصد تقویٰ اور خوفِ خدا تعالیٰ ہے، جس کا ظہور اس کے لباس میں بھی اس طرح ہونا چاہئے کہ اس میں پوری ستر پوشی ہو، کہ قابلِ شرم اعضاء کا پورا پردہ ہو، وہ ننگے بھی نہ رہیں، اور لباس بدن پر ایسا چست بھی نہ ہو جس میں یہ اعضاء مثل ننگے کے نظر آئیں، نیز اس لباس میں فخر و غرور کا انداز بھی نہ ہو بلکہ تواضع کے آثار ہوں، اسرافِ بیجا بھی نہ ہو، ضرورت کے موافق کپڑا استعمال کیا جائے، عورتوں کے لئے مردانہ اور مردوں کے لئے زنانہ لباس بھی نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہے، لباس میں کسی دوسری قوم کی نقالی بھی نہ ہو جو اپنی قوم و ملت سے غداری اور اعراض کی علامت ہے۔

اس کے ساتھ ہی اخلاق و اعمال کی درستی بھی ہو جو لباس کا اصل مقصد ہے۔ آخر آیت میں ارشاد فرمایا ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ، یعنی انسان کو لباس کی یہ تینوں قسمیں عطا فرمانا اللہ جل شانہ کی آیاتِ قدرت میں سے ہے، تاکہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔

دوسری آیت میں پھر تمام اولادِ آدم کو خطاب کر کے تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اپنے ہر حال اور ہر کام میں مکر شیطانی سے بچتے رہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو پھر کسی فتنہ میں مبتلا کر دے، جیسا تمہارے ماں باپ حضرت آدم و حوّا کو اس نے جنت سے نکلوایا، اور ان کا لباس اُتار کر ان کے ستر کھولنے کا سبب بنا، وہ تمہارا قدیم دشمن ہے، اس کی دشمنی کا ہمیشہ ہر وقت خیال رکھو۔

آخر آیت میں فرمایا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ، اس میں لفظ قبیل کے معنی جماعت اور جتھے کے ہیں، جو جماعت ایک خاندان کی شریک ہو اس کو قبیلہ کہتے ہیں، اور عام جماعتوں کو قبیل کہا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ شیطان تمہارا ایسا دشمن ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی تو تم کو دیکھتے ہیں، تم ان کو نہیں دیکھتے، اس لئے ان کا مکر و فریب تم پر چل جانے کے زیادہ امکانات ہیں۔

لیکن دوسری آیات میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے اور مکر شیطانی سے ہوشیار رہنے والے ہیں، ان کے لئے شیطان کا جال نہایت کمزور ہے۔

اور اس آیت کے آخر میں بھی جو یہ فرمایا کہ ہم نے شیطانوں کو ان کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے، اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان والوں کے لئے اس کے جال سے بچنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

بعض حضرات سلف نے فرمایا کہ یہ دشمن جو ہمیں دیکھتا ہے اور ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے اس کا علاج ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں، جو ان شیطانوں کو اور ان کی ہر نقل و حرکت کو دیکھتا ہے اور شیطان اس کو نہیں دیکھ سکتا۔

اور یہ ارشاد کہ انسان شیاطین کو نہیں دیکھ سکتا عام حالات اور عام عادت کے اعتبار سے ہے، خرقِ عادت کے طور پر کوئی انسان کبھی ان کو دیکھ لے یہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنات کا آنا اور سوالات کرنا اور اسلام قبول کرنا وغیرہ صحیح روایات حدیث میں مذکور ہے (روح)

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا

اور جب کرتے ہیں کوئی بُرا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا اسی طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے

بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا

بھی ہم کو یہ حکم کیا ہے، تو کہہ دے کہ اللہ حکم نہیں کرتا بُرے کام کا کیوں لگاتے ہو اللہ کے ذمہ وہ باتیں

لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۸ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۡ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ

جو تم کو معلوم نہیں، تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا، اور سیدھے کرو اپنے منہ

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ كَمَا بَدَاَكُمْ

ہر نماز کے وقت اور پکارو اس کو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر، جیسا تم کو پہلے پیدا کیا

تَعُوْدُوْنَ ۲۹ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ

دوسری بار بھی پیدا ہو گے، ایک فرقہ کو ہدایت کی اور ایک فرقہ پر مقرر ہو چکی گمراہی،

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ

انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ

اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۳۰ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ

وہ ہدایت پر ہیں، اے اولاد آدم کی! لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے

مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۳۱

وقت اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو، اس کو خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنیوالے

خلاصۂ تفسیر

اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں (یعنی ایسا کام جس کی برائی کھلی ہوئی ہو اور انسانی فطرت اس کو برا سمجھتی ہو، جیسے ننگے ہو کر طواف کرنا) تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے (اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جاہلانہ استدلال کے جواب میں) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش کام کی کبھی تعلیم نہیں دیتا، کیا (تم ایسا دعویٰ کر کے) خدا کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جس کی تم کوئی سند نہیں رکھتے، آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (تم نے جن فحش اور غلط کاموں کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے وہ تو غلط ہے، اب وہ بات سنو جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے واقعی طور پر دیا ہے وہ یہ ہے کہ) میرے رب نے تو حکم دیا ہے انصاف کرنے کا، اور یہ کہ تم ہر سجدہ (یعنی عبادت) کے وقت اپنا رُخ سیدھا (اللہ کی طرف) رکھا کرو (یعنی کسی مخلوق کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرو) اور اللہ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو (اس مختصر جملہ میں تمام مامورات شرعیہ اجمالاً آ گئے، قسط میں حقوق العباد، اقیموا میں اعمال وطاعت، مخلصین میں عقائد) تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم (ایک وقت) پھر دوبارہ پیدا ہو گے بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے (دنیا میں) ہدایت کی ہے، (ان کو اس وقت جزاء ملے گی) اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے (ان کو سزا ملے گی) ان لوگوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور (باوجود اس کے پھر اپنی نسبت) خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں، اے اولادِ آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت (نماز کے لئے ہو یا طواف کے لئے) اپنا لباس پہن لیا کرو اور (جس طرح ترکِ لباس گناہ تھا، ایسے ہی حلال چیزوں کے کھانے پینے کو ناجائز سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے، اس لئے حلال چیزوں کو) خوب کھاؤ اور پیو اور حدِ شرعی سے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو۔

معارف ومسائل

اسلام سے پہلے جاہلیتِ عرب کے زمانہ میں شیطان نے لوگوں کو جن شرمناک اور بیہودہ رسموں میں مبتلا کر رکھا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قریش کے سوا کوئی شخص بیت اللہ کا طواف اپنے کپڑوں میں نہیں کر سکتا تھا، بلکہ یا وہ کسی قریشی سے اس کا لباس عاریت کے طور پر ملے گا یا پھر ننگا طواف کرے۔

اور ظاہر ہے کہ سارے عرب کے لوگوں کو قریش کے لوگ کہاں تک کپڑے دے سکتے تھے، اس لئے ہوتا یہی تھا کہ یہ لوگ اکثر ننگے ہی طواف کرتے تھے، مرد بھی عورتیں بھی، اور عورتیں عموماً رات کے اندھیرے میں طواف کرتی تھیں، اور اپنے اس فعل کی شیطانی حکمت یہ بیان کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں انہی کپڑوں میں بیت اللہ کے گرد طواف کرنا خلاف ادب ہے (اور یہ عقل کے اندھے یہ نہ سمجھتے تھے کہ ننگے طواف کرنا اس سے زیادہ خلافِ ادب اور خلافِ انسانیت ہے) صرف قریش کا قبیلہ بوجہ خدامِ حرم ہونے کے اس عریانی کے قانون سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔

آیاتِ مذکورہ میں پہلی آیت اسی بیہودہ رسم کو مٹانے اور اس کی خرابی کو بتلانے کے لئے نازل ہوئی ہے، اس آیت میں فرمایا کہ جب یہ لوگ کوئی فحش کام کرتے تھے تو جو لوگ ان کو اس فحش کام سے منع کرتے تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ ہمارے باپ دادا اور بڑے بوڑھے یونہی کرتے آئے ہیں، ان کے طریقہ کو چھوڑنا عار اور شرم کی بات ہے، اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں فحش کام سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک یہی ننگا طواف ہے، اور اصل میں فحش، فحشاء، فاحشہ ہر ایسے برے کام کو کہا جاتا ہے جس کی برائی انتہا کو پہونچی ہوئی ہو، اور عقل و فہم اور فطرت سلیمہ کے نزدیک بالکل واضح اور کھلی ہوئی ہو (مظہری) اور اس درجہ میں حسن وقبح کا عقلی ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے (روح)

پھر ان لوگوں نے اس بیہودہ رسم کے جواز کے لئے دو دلیلیں پیش کیں، ایک تقلید آبائی کہ باپ دادوں کے طریقہ کو قائم رکھنا ہی خیر اور بھلائی ہے، اس کا جواب تو بالکل واضح اور کھلا ہوا تھا کہ جاہل باپ دادوں کا اتباع کوئی معقول چیز نہیں، ذرا سی عقل وہوش رکھنے والا انسان بھی اس کو سمجھ سکتا ہے، کہ کسی طریقہ کے جواز کی یہ کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ باپ دادا ایسا کرتے تھے، کیونکہ اگر کسی طریقہ اور کسی عمل کی صحت اور جواز کے لئے باپ دادوں کا طریقہ ہونا کافی سمجھا جاوے تو دنیا میں مختلف لوگوں کے باپ دادا مختلف اور متضاد طریقوں پر عمل کیا کرتے تھے اس دلیل سے تو دنیا بھر کے سارے گمراہ کن طریقے جائز اور صحیح قرار پاتے ہیں، غرض ان جاہلوں کی یہ دلیل کچھ قابلِ توجہ نہ تھی، اس لئے یہاں قرآن کریم نے اس کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور دوسری روایات میں اس کا بھی جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر باپ دادا کوئی جہالت کا کام کریں تو وہ کس طرح قابلِ تقلید واتباع ہو سکتا ہے۔

دوسری دلیل ان لوگوں نے اپنے ننگے طواف کے جواز پر یہ پیش کی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہی ایسا حکم دیا ہے، یہ سراسر بہتان اور حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف اس کی طرف ایک غلط

حکم کو منسوب کرتا ہے، اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا:
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ، یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی فحش کام کا حکم نہیں دیا کرتے، کیونکہ ایسا حکم دینا حکمت اور شان قدوسی کے خلاف ہے، پھر ان لوگوں کے اس بہتان وافتراء علی اللہ اور باطل خیال کو پوری طرح ادا کرنے کے لئے ان لوگوں کو اس طرح تنبیہ کی گئی، اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، یعنی کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیزوں کو منسوب کرتے ہو جن کا تم کو علم نہیں، یعنی جس کے یقین کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی حجت نہیں، اور ظاہر ہے کہ بلاتحقیق کسی شخص کی طرف بھی کسی کام کو منسوب کرنا انتہائی دلیری اور ظلم ہے تو اللہ جل شانہٗ کی طرف کسی نقل کی ایسی غلط نسبت کرنا کتنا بڑا جرم اور ظلم ہوگا، حضرات مجتہدین آیاتِ قرآنی سے بذریعہ اجتہاد جو احکام نکالتے اور بیان کرتے ہیں وہ اس میں داخل نہیں، کیونکہ ان کا استخراج قرآن کے الفاظ و ارشادات سے ایک حجت کے ماتحت ہوتا ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ننگے طواف کے جائز کرنے کی غلط نسبت کرنے والے جاہلوں سے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ قسط کا حکم دیا کرتے ہیں، قسط کے اصلی معنی انصاف و اعتدال کے ہیں، اور اس جگہ قسط سے مراد وہ عمل ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہو یعنی نہ اس میں کوتاہی ہو اور نہ مقررہ حد سے تجاوز ہو، جیسا کہ تمام احکام شرعیہ کا یہی حال ہے، اس لئے لفظ قسط کے مفہوم میں تمام عبادات اور طاعات اور عام احکام شرعیہ داخل ہیں (روح المعانی)

اس آیت میں قسط یعنی انصاف و اعتدال کا حکم بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی گمراہی اور بے راہی کے مناسب احکام شرعیہ سے دو حکم خصوصیت کے ساتھ بیان فرمائے گئے، ایک اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ، اور دوسرا وَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ، پہلا حکم انسان کے ظاہری افعال سے متعلق ہے، اور دوسرا اس کے قلب اور باطن سے تعلق رکھتا ہے، پہلے حکم میں لفظ مسجد اکثر مفسرین کے نزدیک بمعنی سجدہ و عبادت آیا ہے، اور معنی یہ ہیں کہ ہر عبادت و نماز کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو، اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نماز کے وقت اپنا رُخ سیدھا ٹھیک قبلہ کی طرف کرنے کا اہتمام کرو، اور رُخ سیدھا کرنے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اپنے ہر قول و فعل اور ہر عمل میں اپنا رُخ اپنے رب کے حکم کے تابع رکھو، اس سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پاوے، اس معنی کے لحاظ سے یہ حکم صرف نماز کے لئے خاص نہیں، بلکہ تمام عبادات و معاملات پر حاوی ہے۔

اور دوسرے حکم کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح پکارو کہ عبادت خالص اسی کی ہو

اس میں کسی دوسرے کی شرکت کسی حیثیت سے نہ ہو، یہاں تک کہ شرکِ خفی یعنی ریاء و نمود سے بھی پاک ہو۔

ان دونوں حکموں کو ساتھ ذکر کرنے سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے ظاہر و باطن دونوں کو احکامِ شریعت کے مطابق درست کرے، نہ صرف ظاہری اطاعت بغیر اخلاص کے کافی ہے، اور نہ محض اخلاص باطنی بغیر ظاہری اتباعِ شریعت کے کافی ہوسکتا ہے، بلکہ ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے ظاہر کو بھی شریعت کے مطابق درست کرے اور باطن کو بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص رکھے، اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوتی ہے جو شریعت و طریقت کو مختلف طریقے سمجھتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ طریقت کے مطابق باطن کو درست کرلینا کافی ہے، گو شریعت کے خلاف کرتے رہیں، یہ کھلی گمراہی ہے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہیں اول پیدا فرمایا تھا اسی طرح قیامت کے روز دوبارہ تمہیں زندہ کرکے کھڑا کردیں گے، اس کی قدرتِ کاملہ کے آگے یہ کوئی مشکل چیز نہیں، اور شاید اسی آسانی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یُعِیْدُكُمْ کے بجائے تَعُوْدُوْنَ فرمایا کہ دوبارہ پیدا ہونے کے لئے کسی خاص عمل و سعی کی ضرورت نہیں (روح)

اس جملہ کو اس جگہ لانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ احکامِ شرعیہ پر پوری طرح قائم رہنا انسان کے لئے آسان ہوجائے، کیونکہ عالم آخرت اور قیامت اور اس میں اچھے بُرے اعمال کی جزاء و سزاء کا تصور ہی وہ چیز ہے جو انسان کے لئے ہر مشکل کو آسان اور ہر تکلیف کو راحت بنا سکتی ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ جب تک انسان پر یہ خوف مسلط نہ ہو نہ کوئی وعظ و پند اس کو سیدھا کرسکتا ہے، اور نہ کسی قانون کی پابندی اس کو جرائم سے روک سکتی ہے۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہوچکا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا رفیق اور دوست بنالیا، اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اگرچہ اللہ جل شانہٗ کی ہدایت عام تھی مگر ان لوگوں نے اس ہدایت سے منہ موڑا اور شیطانوں کا اتباع کرنے لگے، اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ یہ اپنی بیماری ہی کو صحت اور گمراہی کو ہدایت خیال کرنے لگے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ سے جہل اور ناواقفیت کوئی عذر نہیں، ایک شخص اگر غلط راستہ کو صحیح سمجھ کر پورے اخلاص کے ساتھ اختیار کرلے تو وہ اللہ کے نزدیک معذور نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ہوش و حواس اور عقل و دانش اسی لئے دی ہے کہ وہ اس سے

کام لے کر کھرے کھوٹے اور غلط صحیح کو پہچانے، پھر اس کو صرف اس کی عقل و دانش پر نہیں چھوڑا اپنے انبیاء بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں جن کے ذریعے صحیح و غلط اور حق و باطل کو خوب کھول کر واضح کر دیا۔

اگر کسی شخص کو اس پر شبہ ہو کہ ایک شخص جو واقع میں اپنے کو حق پر سمجھتا ہو گو غلطی پر ہو پھر اس پر کیا الزام ہے، وہ معذور ہونا چاہئے، کیونکہ اس کو اپنی غلطی کی اطلاع ہی نہیں، جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو عقل و ہوش پھر انبیاء علیہم السلام کی تعلیم عطا فرما دی ہیں، جن کے ذریعے کم از کم اس کو اپنے اختیار کئے ہوئے طریقہ کے خلاف کا احتمال اور تردد ضرور ہو جانا چاہئے، اب اس کا قصور یہ ہے کہ اس نے ان چیزوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا، اور جس غلط طریقہ کو اختیار کر لیا تھا اس پر جما رہا۔

البتہ جو شخص طلبِ حق میں اپنی پوری کوشش خرچ کر چکا، اور پھر بھی اس کی نظر صحیح راستہ اور حق بات کی طرف نہ پہونچی وہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور ہو، جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ میں فرمایا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا: "اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے" زمانۂ جاہلیت کے عرب جیسا کہ بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرنے کو صحیح عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے اسی طرح ان میں یہ رسم بھی تھی کہ ایام حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے، صرف اتنا کھاتے تھے جس سے سانس چلتا رہے، خصوصاً گھی، دودھ اور پاکیزہ غذاؤں سے بالکل اجتناب کرتے تھے (ابن جریر)

ان کے اس بیہودہ طریقۂ کار کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ ننگے ہو کر طواف کرنا بے حیائی اور سخت بے ادبی ہے، اس سے اجتناب کریں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی پاکیزہ غذاؤں سے بلا وجہ اجتناب کرنا بھی کوئی دین کی بات نہیں بلکہ اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرانا گستاخی اور عبادت میں حد سے تجاوز کرنا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے، اس لئے ایام حج میں خوب کھاؤ پیو، ہاں اسراف نہ کرو، حلال غذاؤں سے بالکل اجتناب کرنا بھی اسراف میں داخل ہے، اور حج کے اصل مقاصد اور ذکر اللہ سے غافل ہو کر کھانے پینے ہی میں مشغول رہنا بھی اسراف میں داخل ہے۔

یہ آیت اگرچہ جاہلیتِ عرب کی ایک خاص رسم عریانی کو مٹانے کے لئے نازل ہوئی ہے جس کو وہ طواف کے وقت بیت اللہ کی تعظیم کے نام پر کیا کرتے تھے، لیکن ائمۂ تفسیر اور

فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی حکم کے کسی خاص واقعہ میں نازل ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ حکم اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہو، بلکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے جو جو چیزیں ان الفاظ کے عموم میں شامل ہوتی ہیں سب پر یہی حکم عائد ہوتا ہے۔

نماز میں ستر پوشی فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی

اسی لئے اس آیت سے جمہور صحابہ و تابعین اور ائمۂ مجتہدین نے کئی احکام نکالے ہیں، اوّل یہ کہ اس میں جس طرح ننگے طواف کو منع کیا گیا ہے، اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام اور باطل ہے، کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:- اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلٰوةٌ، اس کے علاوہ خود اسی آیت میں جبکہ لفظ مسجد سے جمہور مفسرین کے نزدیک مراد سجدہ ہے، تو بحالتِ سجدہ عریانی کی ممانعت خود آیت میں صراحت سے آجاتی ہے اور جب سجدہ میں ممنوع ہوئی تو رکوع اور قیام و قعود اور نماز کے تمام افعال میں اس کا لازم ہونا ظاہر ہے۔

پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نے اس کو اور بھی واضح کر دیا، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کسی بالغ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے جائز نہیں (ترمذی)

اور نماز کے علاوہ دوسرے حالات میں بھی ستر پوشی کا فرض ہونا دوسری آیات و روایات سے ثابت ہے، جن میں سے ایک آیت اسی سورت میں گذر چکی ہے، يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ

خلاصہ یہ ہے کہ ستر پوشی انسان کے لئے پہلا انسانی اور اسلامی فرض ہے جو ہر حالت میں اس پر لازم ہے نماز اور طواف میں بدرجۂ اولیٰ فرض ہے۔

نماز کے لئے اچھا لباس

دوسرا مسئلہ اس آیت میں یہ ہے کہ لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا ہے کہ نماز میں فضل و اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق لباسِ زینت اختیار کیا جائے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہتر لباس پہنتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:- خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

معلوم ہوا کہ اس آیت سے جیسا کہ نماز میں ستر پوشی کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح بقدر استطاعت صاف ستھرا اچھا لباس اختیار کرنے کی فضیلت اور استحباب بھی ثابت ہوتا ہے۔

نماز میں لباس کے متعلق چند مسائل

تیسرا مسئلہ اس جگہ یہ ہے کہ ستر جس کا چھپانا انسان پر ہر حال میں اور خصوصاً نماز و طواف میں فرض ہے، اس کی حد کیا ہے؟ قرآن کریم نے اجمالاً ستر پوشی کا حکم دے کر اس کی تفصیلات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کیا، آپ نے تفصیل کے

ساتھ ارشاد فرمایا کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور عورت کا ستر سارا بدن صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور قدم مستثنیٰ ہیں۔

روایاتِ حدیث میں یہ سب تفصیل مذکور ہے، مرد کے لئے ناف سے نیچے کا بدن یا گھٹنے کھلے ہوں تو ایسا لباس خود بھی گناہ ہو اور نماز بھی اس میں ادا نہیں ہوتی، اسی طرح عورت کا سر گردن یا بازو یا پنڈلی کھلی ہو تو ایسے لباس میں رہنا خود بھی ناجائز ہے اور نماز بھی ادا نہیں ہوتی، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس مکان میں عورت ننگے سر ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے۔

عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں اور قدم جو ستر سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے، اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز میں اس کے یہ اعضاء کھلے ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غیر محرموں کے سامنے بھی وہ بغیر شرعی عذر کے چہرہ کھول کر پھرا کرے۔

یہ حکم تو فریضۂ ستر کے متعلق ہے، جس کے بغیر نماز ہی ادا نہیں ہوتی، اور چونکہ نماز میں صرف ستر پوشی ہی مطلوب نہیں، بلکہ لباس زینت اختیار کرنے کا ارشاد ہے، اس لئے مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا موندھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، خواہ قمیص ہی نیم آستین ہو یا آستین چڑھائی گئی ہو بہرحال نماز مکروہ ہے، اسی طرح ایسے... لباس میں بھی نماز مکروہ ہے جس کو پہن کر آدمی اپنے دوستوں اور عوام کے سامنے جانا قابلِ شرم و عار سمجھے، جیسے صرف بنیان بغیر کرتے کے، اگرچہ پوری آستین بھی ہو، یا سر پر بجائے ٹوپی کے کوئی کپڑا یا چھوٹا دستی رومال باندھ لینا کہ کوئی سمجھدار آدمی اپنے دوستوں یا دوسروں کے سامنے اس ہیئت میں جانا پسند نہیں کرتا، تو اللہ رب العالمین کے دربار میں جانا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے، سر، موندھے، کہنیاں کھول کر نماز کا مکروہ ہونا آیتِ قرآنی کے لفظ زینت سے بھی مستفاد ہوا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات سے بھی۔

جس طرح آیت کا پہلا جملہ جاہلیتِ عرب کی رسم عریانی کو مٹانے کے لئے نازل ہوا، مگر عمومِ الفاظ سے اور بہت سے احکام و مسائل اس سے معلوم ہوئے، اسی طرح دوسرا جملہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا بھی اگرچہ جاہلیتِ عرب کی اس رسم کو مٹانے کے لئے نازل ہوا کہ ایامِ حج میں اچھی غذا کھانے پینے کو گناہ سمجھتے تھے، لیکن عمومِ الفاظ سے یہاں بھی بہت سے احکام و مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے

اوّل یہ کہ کھانا پینا شرعی حیثیت سے بھی انسان پر فرض و لازم ہے، باوجود قدرت کے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے، یہاں تک کہ مر جائے، یا اتنا کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو یہ شخص عند اللہ مجرم و گناہگار ہوگا۔

۳۵

اشیاء عالم میں اصل اباحت و جواز ہے جب تک کسی دلیل سے حرمت ممانعت ثابت نہ ہو کوئی چیز حرام نہیں ہوتی

ایک مسئلہ اس آیت سے احکام القرآن جصاص کی تصریح کے مطابق یہ نکلا کہ دنیا میں جتنی چیزیں کھانے پینے کی ہیں، اصل ان میں یہ ہے کہ وہ سب جائز و حلال ہیں، جب تک کسی خاص چیز کی حرمت و ممانعت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز کو جائز و حلال سمجھا جائے گا، اس کی طرف اشارہ اس بات سے ہوا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کا مفعول ذکر نہیں فرمایا کہ کیا چیز کھاؤ پیو، اور علماءِ عربیت کی تصریح ہے کہ ایسے موقع پر مفعول ذکر نہ کرنا اس کے عموم کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے کہ ہر چیز کھاؤ پیو سوا ان اشیاء کے جن کو بالتصریح حرام کر دیا گیا ہے۔ (احکام القرآن، جصاص)

کھانے پینے میں اسراف جائز نہیں

آیت کے آخری جملہ وَلَا تُسْرِفُوْا سے ثابت ہوا کہ کھانے پینے کی تو اجازت ہے، بلکہ حکم ہے، مگر ساتھ ہی اسراف کرنے کی ممانعت ہے، اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا، پھر حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہونچ جائے، اور حرام چیزوں کو کھانے پینے برتنے لگے اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بلا وجہ شرعی حرام سمجھ کر چھوڑ دے، جس طرح حرام کا استعمال جرم و گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی قانونِ الٰہی کی مخالفت اور سخت گناہ ہے۔ (ابن کثیر، مظہری، روح المعانی)

اسی طرح یہ بھی اسراف ہے کہ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھائے پیئے، اسی لئے فقہاءؒ نے پیٹ بھرنے سے زائد کھانے کو ناجائز لکھا ہے (احکام القرآن وغیرہ) اسی طرح یہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کہ باوجود قدرت و اختیار کے ضرورت سے اتنا کم کھائے جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے، ان دونوں قسم کے اسراف کو منع کرنے کے لئے قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے:-

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ	"یعنی فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں"

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۭ	"یعنی اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو خرچ کرنے میں توسط اور میانہ روی رکھتے ہیں نہ حدِ ضرورت سے زیادہ خرچ کریں اور نہ اس سے کم خرچ کریں"

کھانے پینے میں اعتدال ہی نافع دین و دنیا ہے

حضرت فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ بہت کھانے پینے سے بچو،

کیونکہ وہ جسم کو خراب کرتا ہے، بیماریاں پیدا کرتا ہے، عمل میں سستی پیدا کرتا ہے، بلکہ کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو کہ وہ جسم کی صحت کے لئے بھی مفید ہے، اور اسراف سے دُور رہے، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فربہ جسم عالم کو پسند نہیں فرماتے، (مراد یہ ہے کہ جو زیادہ کھانے سے اختیاری طور پر فربہ ہو گیا ہو) اور فرمایا کہ آدمی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو دین پر ترجیح نہ دینے لگے۔ (روح عن ابی نعیم)

سلف صالحین نے اس بات کو اسراف میں داخل قرار دیا ہے کہ آدمی ہر وقت کھانے پینے ہی کے دھندے میں مشغول رہے، یا اس کو دوسرے اہم کاموں میں مقدم جانے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا مقصدِ زندگی یہی کھانا پینا ہے، انہی حضرات کا مشہور مقولہ ہے کہ "خوردن برائے زیستن ست نہ زیستن برائے خوردن"؛ یعنی کھانا اس لئے ہے کہ زندگی قائم رہے، یہ نہیں کہ زندگی کھانے پینے ہی کے لئے ہو۔

ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ جب کسی چیز کو جی چاہے اس کو ضرور ہی پورا کر لے، اِنَّ مِنَ الْاِسْرَافِ اَنْ تَاْکُلَ کُلَّ مَا اشْتَهَيْتَ (ابن ماجہ عن انس)

اور بیہقیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دن میں دو مرتبہ کھانا تناول فرمایا، تو ارشاد فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہارا شغل صرف کھانا ہی رہ جائے۔

اور میانہ روی کا یہ حکم جو کھانے پینے کے متعلق اس آیت میں مذکور ہے صرف کھانے پینے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پہننے اور رہنے سہنے کے ہر کام میں درمیانی کیفیت پسند اور محبوب ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ پیو، اور جو چاہو پہنو، صرف دو باتوں سے بچو، ایک یہ کہ اس میں اسراف یعنی قدرِ ضرورت سے زیادتی نہ ہو، دوسرے فخر و غرور نہ ہو۔

ایک آیت سے آٹھ مسائلِ شرعیہ

خلاصہ یہ ہے کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا، کے کلمات سے آٹھ مسائلِ شرعیہ نکلے۔ اوّل یہ کہ کھانا پینا بقدرِ ضرورت فرض ہے، دوسرے یہ کہ جب تک کسی چیز کی حرمت کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز حلال ہے، تیسرے یہ کہ جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع کر دیا ان کا استعمال اسراف اور ناجائز ہے، چوتھے یہ کہ جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں اُن کو حرام سمجھنا بھی اسراف اور سخت گناہ ہے، پانچویں یہ کہ پیٹ بھر جانے کے بعد اور کھانا ناجائز ہے، چھٹے یہ کہ اتنا کم کھانا جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے درست نہیں ہے، ساتویں یہ کہ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے، آٹھویں یہ بھی اسراف

ہے کہ جب کبھی کسی چیز کو جی چاہے تو ضروری ہی اس کو حاصل کرے۔

یہ تو اس آیت کے فوائد دینیہ ہیں، اور اگر طبی طور پر غور کیا جائے تو صحت و تندرستی کے لئے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں، کھانے پینے میں اعتدال ساری بیماریوں سے امان ہے۔

تفسیر روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں ہے کہ امیر المؤمنین ہارون رشید کے پاس ایک نصرانی طبیب علاج کے لئے رہتا تھا، اس نے علی بن حسین بن واقد سے کہا کہ تمہاری کتاب یعنی قرآن میں علم طب کا کوئی حصہ نہیں، حالانکہ دنیا میں دو ہی علم علم ہیں، ایک علم ادیان، دوسرا علم ابدان جس کا نام طب ہے، علی بن حسین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے فن طب و حکمت کو آدھی آیتِ قرآن میں جمع کر دیا ہے، وہ یہ کہ ارشاد فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (اور تفسیر ابن کثیر میں یہ قول بعض سلف کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے) پھر اس نے کہا کہ اچھا تمہارے رسولؐ کے کلام میں بھی طب کے متعلق کچھ ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات میں سارے فنِ طب کو جمع کر دیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے، اور مضر چیزوں سے پرہیز ہر دوا کی اصل ہے، اور ہر بدن کو وہ چیز دو جس کا وہ عادی ہے (کشاف، روح) نصرانی طبیب نے یہ سنکر کہا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے رسولؐ نے جالینوس کے لئے کوئی طب نہیں چھوڑی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت ابی ہریرہؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کی حوض ہے، سارے بدن کی رگیں اسی حوض سے سیراب ہوتی ہیں، اگر معدہ درست ہے تو ساری رگیں یہاں سے صحت مند غذا لے کر لوٹیں گی، اور وہ خراب ہو تو ساری رگیں بیماری لیکر بدن میں پھیلیں گی۔

محدثین نے ان روایاتِ حدیث کے الفاظ میں کچھ کلام کیا ہے، لیکن کم کھانے اور محتاط رہنے کی تاکیدات جو بے شمار احادیث میں موجود ہیں ان پر سب کا اتفاق ہے۔ (روح)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ

تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں

الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً

کھانے کی، تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کیواسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲

قیامت کے دن اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں،

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ

تو کہہ دے میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بیحیائی کی باتوں کو جو اُن میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو

وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو جس کی اس نے سند نہیں اتاری،

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ

اور اس بات کو کہ لگاؤ اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں، اور ہر فرقہ کے واسطے ایک وعدہ ہے، پھر جب

اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

آپہنچے گا اُن کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے

خلاصۂ تفسیر

(جو لوگ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزیں ملبوسات اور مطعومات و مشروبات کو بے دلیل بلکہ خلافِ دلیل حرام سمجھ رہے ہیں ان سے) آپ فرما دیجئے کہ (یہ بتلاؤ) اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے (استعمال کے) واسطے بنائے ہیں اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو (جنکو اللہ نے حلال قرار دیا ہے) کس شخص نے حرام کیا ہے (یعنی حلال و حرام قرار دینا تو خالق و مالکِ کائنات کا کام ہے، تم اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے والے کون؟ آیات مذکورہ میں لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کو انعامِ خداوندی قرار دیا ہے، اس سے کفار کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ انعام تو ہمیں خوب مل رہا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا اور ہمارے عقائد و اعمال اس کے خلاف ہوتے تو یہ انعام ہمیں کیوں ملتا، اس شبہ کے جواب کیلئے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اُن سے یہ کہہ دیجئے کہ (انعاماتِ الٰہیہ کے متعلق استعمال کی اجازت دلیلِ مقبولیت نہیں، ہاں جس استعمال کے بعد کوئی وبال نہ ہو وہ دلیلِ مقبولیت ہے، اور ایسا استعمال خالص اہلِ ایمان کا حصہ ہے، کیونکہ کافر جتنا زیادہ دنیاوی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اتنا ہی ان کا وبال اور عذابِ آخرت بڑھتا رہتا ہے، اس لئے فرمایا کہ) یہ اشیاء (لباس اور کھانے پینے کی چیزیں) اس طور پر کہ قیامت کے روز (بھی کدورات سے اور عذاب سے) خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہلِ ایمان ہی کے لئے ہیں (بخلاف کفار کے کہ گو دنیا میں انھوں نے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر کے عیش و عشرت میں بسر کیا، مگر چونکہ ان نعمتوں کا شکر ایمان و اطاعت کے ذریعہ ادا نہیں کیا، اس لئے وہاں یہ نعمتیں وبال اور عذاب بن جاویں گی) ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں، آپ (ان سے یہ بھی) فرمائیے کہ (تم نے جن

حلال چیزوں کو بلا وجہ حرام سمجھ رکھا ہے وہ تو اللہ نے حرام نہیں کی) البتہ میرے رب نے صرف (ان چیزوں کو جن میں سے اکثر میں تم مبتلا ہو) حرام کیا ہے (مثلاً) تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی (جیسے ننگے ہو کر طواف کرنا) اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی (جیسے بدکاری) اور ہر گناہ کی بات کو (حرام کیا ہے) اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو (حرام کیا ہے) اور اس بات کو (حرام کیا ہے) کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک (عبادت) ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند (اور دلیل) نازل نہیں فرمائی (نہ عقلیا نہ خبریا) اور اس بات کو (حرام کیا ہے) کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تمہارے پاس کوئی سند نہ ہو (جس طرح آیت قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ میں تمام مامورات جن پر عمل کرنا مشروع ہے داخل ہو گئے، اسی طرح اِنَّمَا حَرَّمَ میں تمام منہیات جن کی ممانعت ہے شامل ہو گئے) اور (اگر ان محرمات کے ارتکاب کرنے والوں کو فوراً سزا نہ ہونے سے ان کی تحریم میں کسی کو شبہ ہو جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں) ہر گروہ (کے ہر فرد کی سزا) کے لئے (بمقتضائے حکمت) ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی (وہ) میعاد معین (نزدیک) آجاوے گی اس وقت ایک ساعت نہ (اس سے) پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (بلکہ فوراً ہی سزا جاری ہو جاوے گی اس میعاد کے قبل سزا نہ ہونا اس کی دلیل نہیں کہ ان محرمات پر سزا نہ ہوگی)۔

معارف و مسائل

پہلی آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو عبادات میں غلو اور خود ایجاد تنگیاں پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرنے اور اپنے اوپر حرام قرار دینے کو عبادت و طاعت سمجھتے ہیں جیسے مشرکینِ مکہ ایامِ حج میں بوقت طواف لباس پہننا ہی جائز نہ سمجھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی حلال اور اچھی غذاؤں سے پرہیز کرنے کو عبادت جانتے تھے۔

ایسے لوگوں کو زجر اور سرزنش کے انداز میں تنبیہ کی گئی کہ اللہ کی زینت یعنی عمدہ لباس جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور پاکیزہ عمدہ غذائیں جو اللہ نے عطا فرمائی ہیں ان کو کس نے حرام کیا۔

عمدہ لباس اور لذیذ کھانے سے پرہیز اسلام کی تعلیم نہیں

مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے، کسی دوسرے کی اس میں مداخلت جائز نہیں، اس لئے وہ لوگ قابلِ عتاب و عذاب ہیں جو اللہ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک یا پاکیزہ اور لذیذ خوراک کو حرام سمجھیں، وسعت ہوتے ہوئے پھٹے حالوں گنوز پراگندہ رہنا نہ کوئی اسلام کی تعلیم ہے، نہ کوئی اسلام میں پسندیدہ چیز ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں۔

سلف صالحین اور ائمۂ اسلام میں بہت سے اکابر جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال فرماتے تھے، خواجۂ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب وسعت ہوئی عمدہ سے عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا ہے، ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ کے بدن مبارک پر ایسی چادر تھی

جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی، امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ چار سو گنی کی قیمت کی چادر استعمال فرمائی۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے، ان کے لئے تو کسی صاحب نے سال بھر کے لئے تین سو ساٹھ جوڑوں کا سالانہ انتظام اپنے ذمہ لیا ہوا تھا، اور جو جوڑا امامؒ کے بدن پر ایک مرتبہ پہونچتا تھا دوبارہ استعمال نہ ہوتا تھا، کیونکہ صرف ایک روز استعمال کر کے کسی غریب طالب علم کو دیدیتے تھے۔

وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی نعمت اور وسعت عطا فرما دیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے لباس وغیرہ میں دیکھا جائے، اس لئے کہ اظہارِ نعمت بھی ایک قسم کا شکر ہے، اس کے بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے استعمال کرنا ناشکری ہے۔

ہاں ضروری بات یہ ہے کہ دو چیزوں سے بچے، ایک ریا و نمود، دوسرے فخر و غرور، یعنی محض لوگوں کو دکھلانے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے لباسِ فاخر استعمال نہ کرے، اور ظاہر ہے کہ سلفِ صالحین ان دونوں چیزوں سے بری تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین میں حضرت فاروق اعظمؓ اور بعض دوسرے صحابہ سے جو عام حالات میں معمولی قسم کا لباس یا پیوند زدہ کپڑے استعمال کرنا منقول ہے اس کی دو وجہ تھیں، ایک تو یہ کہ اکثر جو کچھ مال آتا وہ فقراء، مساکین اور دینی کاموں میں خرچ کر ڈالتے تھے، اپنے لئے باقی ہی نہ رہتا تھا جس سے عمدہ لباس آسکے، دوسرے یہ کہ آپ مقتدائے خلائق تھے، اس سادہ اور سستی پوشاک کے رکھنے سے دوسرے امراء کو اس کی تلقین کرنا تھا، تاکہ عام غرباء و فقراء پر ان کی مالی حیثیت کا رعب نہ پڑے۔

اسی طرح صوفیائے کرام جو ہمتدیوں کو لباسِ زینت اور عمدہ لذیذ کھانوں سے روکتے ہیں، اس کا منشاء بھی یہ نہیں کہ ان چیزوں کو دائمی طور پر ترک کرنا کوئی کارِ ثواب ہے، بلکہ نفس کی خواہشات پر قابو پانے کے لئے ابتداءِ سلوک میں ایسے مجاہدے بطور علاج و دواء کے کر دیئے جاتے ہیں، اور جب وہ اس درجہ پر پہونچ جائے کہ خواہشاتِ نفسانی پر قابو پالے کہ اس کا نفس اس کو حرام و ناجائز کی طرف نہ کھینچ سکے، تو اس وقت تمام صوفیائے کرام عام سلفِ صالحین کی طرح عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں کو استعمال کرتے ہیں، اور اس وقت یہ طیبات رزق ان کے لئے معرفتِ خداوندی اور درجاتِ قرب میں رکاوٹ کے بجائے اضافہ اور تقرب کا ذریعہ بنتے ہیں۔

خوراک و پوشاک میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خوراک و پوشاک کے بارے میں خلاصہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کا یہ ہے کہ ان چیزوں میں تکلف نہ کرے، جیسی پوشاک و خوراک

بآسانی میسر ہو اس کو شکر کے ساتھ استعمال کرے، موٹا کپڑا، خشک غذا ملے تو یہ تکلف نہ کرے کہ کسی نہ کسی طرح اچھا ہی حاصل کرے خواہ قرض لینا پڑے، یا اس کی فکر میں اپنے آپ کو کسی دوسری مشکل میں مبتلا کرنے کی نوبت آئے۔

اسی طرح عمدہ نفیس لباس یا لذیذ کھانا میسر آئے تو یہ تکلف نہ کرے کہ اس کو جان بوجھ کر خراب کر لے یا اس کے استعمال سے پرہیز کرے، جس طرح بڑھیا لباس اور غذا کی جستجو تکلف ہے اسی طرح بڑھیا کو خراب کرنا یا اس کو چھوڑ کر گھٹیا استعمال کرنا بھی تکلف و مذموم ہے۔

آیت کے اگلے جملہ میں اس کی ایک خاص حکمت یہ بتلائی گئی کہ دنیا کی تمام نعمتیں نفیس اور عمدہ لباس، پاکیزہ اور لذیذ غذائیں دراصل اطاعت شعار مؤمنین ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں، دوسرے لوگ ان کے طفیل میں کھا پی رہے ہیں، کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں، یہاں کھرے کھوٹے اور اچھے بُرے کا امتیاز دنیا کی نعمتوں میں نہیں کیا جا سکتا، بلکہ رحمٰنِ دنیا کی نعمتوں کا یہ دسترخوان عام یہاں سب کے لئے یکساں کھلا ہوا ہے، بلکہ دنیا میں عادۃ اللہ یہ ہے کہ اگر مؤمن و فرمانبردار بندوں سے اطاعت شعاری میں کچھ کمی ہو جاتی ہے تو دوسرے لوگ اُن پر غالب آ کر دنیوی نعمتوں کے خزائن پر قابض ہو جاتے ہیں، اور یہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مگر یہ قانون صرف اسی دار العمل دنیا کے اندر ہے، اور آخرت میں ساری نعمتیں اور راحتیں صرف اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اطاعت شعار بندوں کے لئے مخصوص ہوں گی، یہی معنی ہیں آیت کے اس جملہ کے قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، یعنی آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی سب نعمتیں حیاتِ دنیا میں بھی دراصل مؤمنین ہی کا حق ہیں، اور قیامت کے دن تو خالص انہی کے ساتھ مخصوص ہوں گی۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس جملہ کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اور راحتیں اس خاص کیفیت کے ساتھ کہ وہ آخرت میں وبالِ جان نہ بنیں صرف فرمانبردار مؤمنین کا حصہ ہے، بخلاف کفار و فجار کے کہ گو دنیا میں نعمتیں ان کو بھی ملتی ہیں بلکہ زیادہ ملتی ہیں، مگر ان کی یہ نعمتیں آخرت میں وبالِ جان اور عذاب دائمی بننے والی ہیں، اس لئے نتیجہ کے اعتبار سے ان کے لئے یہ کوئی عزت و راحت کی چیز نہ ہوئی۔

اور بعض حضرات مفسرین نے اس کے یہ معنی قرار دیئے کہ دنیا میں ساری نعمتوں اور راحتوں کے ساتھ محنت و مشقت اور پھر زوال کا خطرہ اور پھر طرح طرح کے رنج و غم لگے ہوئے ہیں، خالص نعمت اور خالص راحت کا یہاں وجود ہی نہیں، البتہ قیامت میں جو یہ نعمتیں ملیں گی وہ خالص ہو کر ملیں گی، نہ ان کے ساتھ کوئی محنت و مشقت ہوگی، اور نہ ان کے زوال یا نقصان کا کوئی خطرہ، اور نہ اُن کے